بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

قرآن مجید میں ایک قاعدۂ کلیہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے کہ کسی قوم کو خواہ مخواہ برباد کر دے درانحالیکہ وہ صالح اور نیکوکار ہو۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ (۱۱ : ۱۰) — اور تیرا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے تباہ کر دے حالانکہ ان کے باشندے نیک عمل کرنے والے ہوں۔

ہلاک اور برباد کر دینے سے مراد صرف یہی نہیں کہ بستیوں کے طبقے الٹ دیے جائیں، اور آبادیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے، بلکہ اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ قوموں کا شیرازہ بکھیر دیا جائے، ان کی اجتماعی قوت توڑ دی جائے ان کو محکوم و مغلوب اور ذلیل و خوار کر دیا جائے۔ قاعدۂ مذکورہ کی بنا پر بربادی اور ہلاکت کی جملہ اقسام میں سے کوئی قسم بھی کسی قوم پر نازل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ خیر و صلاح کے راستے کو چھوڑ کر، شر و فساد اور سرکشی و نافرمانی کے طریقوں پر نہ چلنے لگے اور اس طرح خود اپنے اوپر ظلم نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قاعدہ کو ملحوظ رکھ کر جہاں کہیں کسی قوم کو مبتلائے عذاب کرنے کا ذکر فرمایا ہے، وہاں اس کا جرم بھی ساتھ ساتھ بیان کر دیا ہے تاکہ لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ وہ ان کی اپنی ہی شامت اعمال ہے جو ان کی دنیا اور آخرت دونوں کو

خراب کرتی ہے فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ..... وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۔ (۲۹:۴۰)۔

دوسری بات جو اس قاعدہ سے نکلتی ہے یہ ہے کہ ہلاکت و بربادی کا سبب انفرادی شر و فساد نہیں ہے بلکہ اجتماعی اور قومی شر و فساد ہے۔ یعنی اعتقاد اور عمل کی خرابیاں اگر متفرق طور پر افراد میں پائی جاتی ہوں، لیکن مجموعی طور پر قوم کا دینی و اخلاقی معیار اتنا بلند ہو کہ افراد کی برائیاں اس کے اثر سے دبی رہیں، تو خواہ افراد علیحدہ علیحدہ کتنے ہی خراب ہوں، قوم عیثیت مجموعی سنبھلی رہتی ہے، اور کوئی فتنۂ عام برپا نہیں ہوتا جو پوری قوم کی بربادی کا موجب ہو۔ مگر جب اعتقاد اور عمل کی خرابیاں افراد سے گذر کر پوری قوم میں پھیل جاتی ہیں اور قوم کا دینی احساس اور اخلاقی شعور اس درجہ ماؤف ہو جاتا ہے کہ اس میں خیر و صلاح کے بجائے شر و فساد کو پھلنے اور پھولنے کا موقع ملنے لگے، تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی تطہیر عنایت ایسی قوم سے پھر جاتی ہے اور وہ عزت کے مقام سے ذلت کی طرف گرنے لگتی ہے، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اللہ کا غضب اس پر بھڑک اٹھتا ہے اور اس کو بالکل تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں اس کی بکثرت مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

قوم نوح کو اس وقت برباد کیا گیا جب اعتقاد و عمل کی خرابیاں ان کے اندر جڑ پکڑ گئیں اور زمین میں پھیلنے لگیں، اور یہ امید ہی باقی نہ رہی کہ اس شجر خبیث سے کبھی کوئی اچھا پھل بھی پیدا ہوگا۔ تب حضرت نوح نے بارگاہ رب العزۃ میں عرض کیا کہ:۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۔ (۷۱: ۲)

میرے پروردگار زمین پر کافروں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل سے جو پیدا ہوگا بدکار اور سخت کافر ہی پیدا ہوگا۔

قوم عاد کو اس وقت تباہ کیا گیا جب شر اور فساد نے ان کے دلوں میں یہاں تک گھر کر لیا کہ شریر اور مفسد اور ظالم ان کی قوم کے لیڈر اور حاکم بن گئے، اور اہل خیر و صلاح کے لیے نظام اجتماعی میں کوئی گنجائش باقی نہ رہی :۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا
رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ (۱۱:۵)

اور وہ عاد ہیں جنہوں نے اپنے رب کے احکام سے انکار کیا اور اسکے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر جبار دشمن حق کا اتباع کیا

قوم لوط کو اس وقت ہلاک کیا گیا جب ان کا اخلاقی شعور اتنا باطل ہو گیا، اور ان میں بے حیائی یہاں تک بڑھ گئی کہ علانیہ مجلسوں اور بازاروں میں فواحش کا ارتکاب کیا جانے لگا، اور فواحش کے فواحش ہونے کا احساس ہی باقی نہ رہا

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ
وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ (۲۹:۳)

(لوط نے کہا) کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو اور راستوں میں لوگوں کو چھیڑتے اور ستاتے ہو اور اپنی محفلوں میں بدکاریاں کرتے ہو

اہل مدین پر اس وقت عذاب نازل ہوا جب پوری قوم خائن اور بدمعاملہ اور بے ایمان ہو گئی کم تولنا اور زیادہ لینا کوئی عیب نہ رہا، اور قوم کا اخلاقی احساس یہاں تک فنا ہو گیا کہ جب ان کو اس عیب پر ملامت کی جاتی تو شرم سے سر جھکا لینے کے بجائے وہ الٹا اس ملامت کرنے والے کو ملامت کرتے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا کہ ان میں کوئی ایسا عیب بھی ہے جو ملامت کے قابل ہو۔ وہ اپنی بدکاریوں کو برا نہ سمجھتے بلکہ جو انہیں برا کہتا اسی کو برسر غلط اور لائق سرزنش خیال کرتے :۔

وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ
وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا
فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ..... قَالُوا يَا شُعَيْبُ
مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ
فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ (۱۱:۸)

(شعیب علیہ السلام نے کہا) اور اے میری قوم کے لوگو! انصاف کیساتھ ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ ...... انھوں نے جواب دیا کہ اے شعیب! جو باتیں تو کہتا ہے ان میں سے تو اکثر ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور ہم تو تجھے اپنی قوم میں کمزور پاتے ہیں اگر تیرا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے

بنی اسرائیل کو ذلت و مسکنت اور غضب و لعنت الٰہی میں مبتلا کرنے کا فیصلہ اس وقت صادر ہوا جب انہوں نے بدی اور ظلم اور حرام خواری کی طرف لپکنا شروع کیا، ان کی قوم کے پیشوا مصلحت پرستی کے مرض میں مبتلا ہو گئے، ان میں گناہوں کے ساتھ رواداری پیدا ہو گئی، اور ان میں کوئی گروہ ایسا نہ رہا جو عیب کو عیب کہنے والا اور اس سے روکنے والا ہوتا۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (۵:۹) لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ (۵:۱۱)

تو ان میں سے اکثر کو دیکھتا ہے کہ گناہ اور حد سے تجاوز اور حرام خوری کی طرف لپکتے ہیں یہ کیسی بُری حرکتیں تھیں جو وہ کرتے تھے کیوں نہ ان کے مشائخ اور علماء نے ان کو بری باتیں کہنے اور حرام کے مال کھانے سے منع کیا؟ یہ بہت برا دستور تھا جو وہ کرتے تھے بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کرائی گئی اس لیے کہ انھوں نے سرکشی کی اور وہ حد سے گذر جاتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو بُرے افعال سے نہ روکتے تھے۔

اس آخری آیت کی تفسیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث منقول ہیں وہ قرآن حکیم کے مقصد کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہیں۔ سب روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور نے فرمایا۔

بنی اسرائیل میں جب بدکاری پھیلنی شروع ہوئی تو حال یہ تھا کہ ایک شخص اپنے بھائی یا دوست یا ہمسایہ کو بُرا کام کرتے دیکھتا تو اس کو منع کرتا اور کہتا کہ اے شخص خدا کا خوف کر۔ مگر اس کے بعد وہ اسی شخص کے ساتھ گھل مل کر بیٹھتا اور یہ بدی کا مشاہدہ اس کو اس بدکار شخص کیساتھ میل جول اور کھانے پینے میں شرکت سے نہ روکتا۔ جب ان کا یہ حال ہو گیا تو ان کے دلوں

ایک دوسرے کا اثر پڑ گیا اور اللہ نے سب کو ایک رنگ میں رنگ دیا اور ان کے نبی داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے ان پر لعنت کی"۔

راوی کہتا ہے کہ جب حضور سلسلۂ تقریر میں اس مقام پر پہنچے تو جوش میں آکر اٹھ بیٹھے اور فرمایا:۔

"قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم پر لازم ہے کہ نیکی کا حکم کرو اور بدی سے روکو اور جس کو بُرا فعل کرتے دیکھو اس کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے راہ راست کی طرف موڑ دو اور اس معاملہ میں ہرگز رواداری نہ برتو، ورنہ اللہ تمہارے دلوں پر بھی ایک دوسرے کا اثر ڈال دیگا، اور تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح بنی اسرائیل پر کی"۔

اعتقاد اور عمل کے فساد کا حال وبائی امراض کا سا ہے۔ ایک وبائی مرض ابتدا میں چند کمزور افراد پر حملہ کرتا ہے اگر آب و ہوا اچھی ہو، حفظان صحت کی تدابیر درست ہوں، نجاستوں اور کثافتوں کو دور کرنے کا کافی انتظام ہو، اور مرض سے متاثر ہونے والے مریضوں کا بروقت علاج کر دیا جائے، تو مرض وبائے عام کی صورت اختیار کرنے نہیں پاتا اور عام لوگ اس سے محفوظ رہتے ہیں لیکن اگر طبیب غافل ہوں حفظان صحت کا محکمہ بے پروا ہو، صفائی کے منتظم نجاستوں اور کثافتوں کے روادار ہو جائیں، تو رفتہ رفتہ مرض کے جراثیم فضا میں پھیلنے لگتے ہیں، اور آب و ہوا میں سرایت کر کے اس کو اتنا خراب کر دیتے ہیں کہ وہ صحت کے بجائے مرض کے لیے سازگار ہو جاتی ہے۔ آخر کار جب بستی کے عام افراد کو ہوا، پانی، غذا، لباس، مکان غرض کوئی چیز گندگی اور سمیت سے پاک نہیں ملتی تو ان کی قوت حیات جواب دینے لگتی ہے اور ساری کی ساری آبادی وبائے عام میں مبتلا ہو جاتی ہے پھر قوی سے قوی افراد کے لیے بھی اپنے آپ کو مرض سے بچانا مشکل ہو جاتا ہے، خود طبیب اور صفائی کے منتظم اور صحت عامہ کے محافظ بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور وہ لوگ بھی ہلاکت سے محفوظ نہیں رہتے جو اپنی حد تک حفظان صحت کی جملہ تدبیریں اختیار کرتے ہیں اور دوائیں استعمال کرتے رہتے ہیں کیونکہ ہوا کی سمیت، پانی کی

گندگی، وسائل غذا کی خرابی، اور زمین کی کثافت کا ان کے پاس کیا علاج ہو سکتا ہے۔

اسی پر اخلاق و اعمال کے فساد اور اعتقاد کی گمراہیوں کو بھی قیاس کر لیجیے۔ علماء قوم کے طبیب ہیں، حکام اور اہل دولت، صفائی اور حفظان صحت کے ذمہ دار ہیں قوم کی غیرت ایمانی اور حاسہ اخلاقی بمنزلہ قوت حیات (Vitality) ہے، اجتماعی ماحول کی حیثیت وہی ہے جو ہوا پانی غذا اور لباس و مکان کی ہے، اور حیات قومی میں دین و اخلاق کے اعتبار سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وہی مقام ہے جو صحت جسمانی کے اعتبار سے صفائی و حفظان صحت کی تدابیر کا ہے۔ جب علماء اور اولی الامر اپنے اصلی فرض یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑ دیتے ہیں، اور شر و فساد کے ساتھ رواداری برتنے لگتے ہیں تو گمراہی اور بداخلاقی قوم کے افراد میں پھیلنی شروع ہو جاتی ہے اور قوم کی غیرت ایمانی ضعیف ہوتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا اجتماعی ماحول فاسد ہو جاتا ہے۔ قومی زندگی کی فضا، خیر و صلاح کے لیے نامساعد اور شر و فساد کے لیے سازگار ہو جاتی ہے لوگ نیکی سے بھاگنے ہیں، اور بدی سے نفرت کرنے کے بجائے اس کی طرف کھنچنے لگتے ہیں، اخلاقی قدریں الٹ جاتی ہیں، عیب ہنر بن جاتے ہیں، اور ہنر عیب۔ اس وقت گمراہیاں اور بداخلاقیاں خوب پھلتی پھولتی ہیں، اور بھلائی کا کوئی بیج برگ و بار لانے کے قابل نہیں رہتا، زمین ہوا اور پانی سب اس کو پرورش کرنے سے انکار کر دیتے ہیں، کیونکہ ان کی ساری قوتیں اشجار خبیثہ کو نشوونما دینے کی طرف مائل ہو جاتی ہیں۔ جب کسی قوم کا یہ حال ہو جاتا ہے، تو پھر وہ عذاب الٰہی کی مستحق ہو جاتی ہے، اور اس پر ایسی عام تباہی نازل ہوتی ہے جس سے کوئی نہیں بچتا، خواہ وہ خانقاہوں میں بیٹھا عبادت گذاری ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔

اس کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ:-

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً (۸:۲۵) بچو اس فتنہ سے جو صرف انہی لوگوں کو مبتلائے مصیبت نہ کرے گا جنہوں نے تم میں سے ظلم کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا منشا اس سے یہ ہے کہ بدی کو اپنے سامنے نہ ٹھیرنے دو، کیونکہ اگر تم بدی سے رواداری کروگے اور اس کو پھیلنے دوگے تو اللہ کی طرف سے عذاب عام نازل ہوگا اور اس کی لپیٹ میں اچھے اور برے سب آجائیں گے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ:-

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُعَذِّبُ الْعَامَّۃَ بِعَمَلِ الْخَاصَّۃِ حَتّٰی یَرَوُا الْمُنْکَرَ بَیْنَ ظَہْرَانَیْہِمْ وَہُمْ قَادِرُوْنَ عَلٰی اَنْ یُّنْکِرُوْہُ فَلَا یُنْکِرُوْہُ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ عَذَّبَ اللّٰہُ الْخَاصَّۃَ وَالْعَامَّۃَ	اللہ خاص لوگوں کے عمل پر عام لوگوں کو عذاب نہیں دیتا۔ مگر جب وہ اپنے سامنے بدی کو دیکھیں اور اس کو روکنے پر قدرت رکھنے کے باوجود اس کو نہ روکیں تو اللہ خاص اور عام سب کو مبتلائے عذاب کر دیتا ہے۔

قوم کی اخلاقی اور دینی صحت کو برقرار رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ اس کے ہر فرد میں غیرت ایمانی اور حساسۂ اخلاقی موجود ہو، جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جامع لفظ "حیاء" سے تعبیر فرمایا ہے یہ حیاء دراصل ایمان کا ایک جزء ہے جیسا کہ حضور نے فرمایا ہے اِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ بلکہ ایک موقع پر جب حضور سے عرض کیا گیا کہ حیاء دین کا ایک جز ہے، تو آپ نے فرمایا بَلْ ھُوَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ، یعنی وہ پورا دین ہے۔

حیاء سے مراد یہ ہے کہ بدی اور معصیت سے نفس میں طبیعی طور پر انقباض پیدا ہو، اور دل اس سے نفرت کرے۔ جس شخص میں یہ صفت موجود ہوگی وہ نہ صرف قبائح سے اجتناب کرے گا بلکہ دوسروں میں بھی اس کو برداشت نہ کرسکے گا۔ وہ برائیوں کے دیکھنے کا روادار نہ ہوگا۔ ظلم اور معصیت سے مصالحت کرنا اس کے لیے ممکن نہ ہوگا۔ جب اس کے سامنے قبائح کا ارتکاب کیا جائے گا تو اس کی غیرت ایمانی جوش میں آجائیگی اور وہ اس کو ہاتھ سے یا زبان سے مٹانے کی کوشش کرے گا، یا کم از کم اس کا دل اس خواہش سے بے چین

ہو جائیگا کہ اس برائی کو مٹا دے۔

مَن رأیٰ منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ	تم میں سے جو کوئی بدی کو دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹا
فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع	دے اور اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو زبان سے اور اگر یہ بھی
فبقلبہ وذالک اضعف الایمان	نہ کر سکتا ہو تو دل سے اور یہ ضعیف ترین ایمان ہے۔

جس قوم کے افراد میں عام طور پر یہ صفت موجود ہو گی اس کا دین محفوظ رہے گا اور اس کا اخلاقی معیار کبھی نہ گر سکے گا، کیونکہ اس کا ہر فرد دوسرے کے لیے محتسب اور نگران ہوگا اور عقیدہ و عمل کے فساد کو اس میں داخل ہونے کے لیے کوئی راہ نہ مل سکے گی۔

قرآن مجید کا مقصد دراصل ایسی ہی ایک آئیڈیل سوسائٹی بنانا ہے، جس کا ہر فرد اپنے قلبی رجحان اور اپنی فطری غیرت و حیا اور خالص اپنے ضمیر کی تحریک پر احتساب اور نگرانی کا فرض انجام دے اور کسی اُجرت کے بغیر خدائی فوجدار بنا پھرے۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا	اور اس طرح ہم نے تم کو ایک عادل و معتدل امت
شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ	بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر نگران رہو اور رسول تم پر
عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا (۲ : ۱۷)	نگران رہے۔

اسی لیے بار بار مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا تمہارا قومی خاصہ ہے جو ہر مومن مرد اور عورت میں متحقق ہونا چاہیے۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ	تم بہترین قوم ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے تم نیکی
بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ	کا حکم کرتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان
بِاللّٰہِ (۳ : ۱۲)	رکھتے ہو۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۹:۹)	مومن مرد اور عورت ایک دوسرے کے مددگار ہیں نیکی کا حکم کرتے اور بدی سے روکتے ہیں۔
اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ (۱۴:۹)	وہ نیکی کا حکم کرنے والے اور بدی سے روکنے والے اور حدود الٰہی کی حفاظت کرنے والے ہیں۔
اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (۲۲:۶)	یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ہم اگر زمین میں حکومت بخشیں گے تو یہ نماز قائم کریں گے زکواۃ دیں گے نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے روکیں گے۔

اگر مسلمانوں کا یہ حال ہو تو ان کی مثال اس بستی کی سی ہوگی جس کے ہر باشندے میں صفائی اور حفظان صحت کا احساس ہو۔ وہ نہ صرف اپنے جسم اور اپنے گھر کو صاف پاک رکھے، بلکہ بستی میں جہاں کہیں علامت اور نجاست دیکھے اس کو دور کردے، اور کسی جگہ گندگی و کثافت کے رہنے کا روادار نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی بستی کی آب و ہوا پاک صاف رہے گی۔ اس میں امراض کے جراثیم پرورش نہ پاسکیں گے اور اگر شاذ و نادر کوئی شخص کمزور اور مریض الطبع ہوگا بھی تو اس کا ہر وقت علاج ہو جائے گا؛ یا کم از کم اس کی بیماری محض شخصی بیماری ہوگی، دوسروں تک متعدی ہو کر وبائے عام کی صورت نہ اختیار کرسکے گی۔

لیکن اگر مسلمانوں کی قوم اس بلند درجہ پر نہ رہ سکے، تو قوم کی دینی و اخلاقی صحت کو برقرار رکھنے کے لیے کم از کم ایک ایسا گروہ تو ان میں ضرور موجود رہنا چاہیے جو ہر وقت اپنی خدمت پر مستعد رہے اور اعتقاد کی گندگیوں اور اخلاق و اعمال کی نجاستوں کو دور کرتا رہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ	تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف

وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۳:۱۱۱) بلانے والی ہو نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے۔

یہ جماعت علماء اور اولی الامر کی جماعت ہے جس کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں منہمک رہنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا شہر کے محکمۂ صفائی وحفظان صحت کا اپنے فرائض میں مستعد رہنا ضروری ہے اگر یہ لوگ اپنے فرض سے غافل ہو جائیں اور قوم میں ایک جماعت بھی ایسی باقی نہ رہے جو خیر وصلاح کی طرف دعوت دینے والی اور منکرات سے روکنے والی ہو، تو دین واخلاق کے اعتبار سے قوم کی تباہی اسی طرح یقینی ہے جس طرح جسم وجان کے اعتبار سے اس بستی کی ہلاکت یقینی ہے جس میں صفائی وحفظان صحت کا کوئی انتظام نہ ہو۔ اگلی قوموں پر جو تباہیاں نازل ہوئی ہیں وہ اسی لیے ہوئی ہیں کہ ان میں کوئی گروہ بھی ایسا باقی نہ رہا تھا جو ان کو برائیوں سے روکتا اور خیر وصلاح پر قائم رکھنے کی کوشش کرتا۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُو بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ (۱۱:۱۰) تم سے پہلے کی قوموں میں کم از کم ایسے اہل فضل ہی کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد سے روکنے والے ہوتے بجز چند آدمیوں کے جن کو ہم نے ان میں سے بچا کر نکال دیا

لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ (۵:۹) کیوں نہ ان کے علما اور مشائخ نے ان کو بری باتیں کہنے اور حرام خوری کرنے سے باز رکھا۔

پس قوم کے علما ومشائخ اور اولی الامر کی ذمہ داری سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ وہ صرف اپنے ہی اعمال کے جواب دہ نہیں ہیں بلکہ پوری قوم کے اعمال کی جواب دہی بھی ایک بڑی حد تک ان پر عائد ہوتی ہے۔ ظالم جفاکار اور عیش پسند امراء، اور ایسے امراء کی خوشامدیں کرنے والے علماء ومشائخ کا تو خیر کہنا ہی کیا ہے، ان کا جو کچھ حشر خدا کے ہاں ہوگا اس کے ذکر کی حاجت نہیں لیکن جو امراء اور علماء ومشائخ اپنے محلوں اور اپنے گھروں اور اپنی خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کی داد دے رہے ہیں

وہ بھی خدا کے ہاں جوابدہی سے نہیں بچ سکتے۔ کیوں کہ جب ان کی قوم پر ہر طرف سے گمراہی اور بداخلاقی کے طوفان امڈے چلے آرہے ہوں، تو ان کا کام یہ نہیں ہے کہ گوشوں میں سر جھکائے بیٹھے رہیں، بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ مرد میدان بن کر نکلیں اور جو کچھ زور اور اثر اللہ نے ان کو عطا کیا ہے اس کو کام میں لا کر اس طوفان کا مقابلہ کریں۔ طوفان کو دور کر دینے کی ذمہ داری بلاشبہ ان پر نہیں، مگر اس کے مقابلہ میں اپنی پوری امکانی قوت صرف کر دینے کی ذمہ داری تو یقیناً ان پر ہے۔ اگر وہ اس میں دریغ کریں گے تو ان کی عبادت و ریاضت اور شخصی پرہیزگاری ان کو یوم الفصل کی جواب دہی سے بری نہ کر دیگی۔ آپ محکمۂ صفائی کے اس افسر کو کبھی بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے جس کا حال یہ ہو کہ شہر میں تو وبا پھیل رہی ہو اور ہزاروں آدمی ہلاک ہو رہے ہوں، مگر وہ اپنے گھر میں بیٹھا خود اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان بچانے کی تدبیر کر رہا ہو۔ عام شہری اگر ایسا کریں تو چنداں قابل اعتراض نہیں۔ لیکن محکمۂ صفائی کا افسر ایسا کرے تو اس کے مجرم ہونے میں شک نہیں کیا جا سکتا۔